امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصولِ اخذ و تحدیث

* ڈاکٹر علی اصغر چشتی

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے دور تک حدیث کی روایات کے بہت سارے ذخائر صحابہ کرام، تابعین اور تبع تابعین کے ذریعہ اسلامی ریاست کے مختلف اطراف واکناف تک پہنچ چکے تھے یہ روایات مختلف علمی مراکز میں محفوظ ہو چکی تھیں اور ان پر عمل ہو رہا تھا پہلی صدی ہجری میں اسلامی ریاست کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ علمی مراکز پھیلتے اور بڑھتے چلے گئے۔ ابتداء میں مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں جلیل القدر صحابہ اور ان کے تلامذہ کی وجہ سے حدیث کے اخذ و تحدیث کا رواج تھا، لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جب کوفہ بسایا گیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک معتد بہ جماعت اس شہر میں منتقل ہو گئی جن میں نمایاں حیثیت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور آپ کے تلامذہ کی وجہ سے کوفہ میں ایک بہت بڑا علمی حلقہ قائم ہو گیا۔ اسی دَور میں سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مصر فتح کیا اور عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وساطت سے وہاں حدیث کا مرکز قائم ہو گیا یہ اور اسی طرح کے دوسرے حلقوں میں پورے تسلسل کے ساتھ روایت و تحدیث کا کام جاری رہا تا آنکہ پہلی صدی کے اختتام پر حضرت عمر بن عبد العزیز نے عنان خلافت سنبھالی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے دَور میں وہ تمام ادارے جو خلفاء راشدین اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کے دَور تک پورے نظم وضبط کے ساتھ علمی کام کر رہے تھے، سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے درہم برہم ہو چکے تھے اور اب صورت حال یہ تھی کہ انفرادی اور نجی طور پر بعض اطراف میں علمی حلقے قائم تھے، آپ نے سوچا کہ حدیث کے تمام دستیاب ذخائر کو یکجا کر دیا جائے، مبادا ان ذخائر کے حاملین دنیا سے ایک ایک کر کے اٹھ جائیں اور یہ روایات وقت کے ساتھ ساتھ ضائع ہو جائیں۔ چنانچہ اس دَور کے مشہور محدّث امام محمد بن مسلم بن شہاب زُہری کو آپ نے یہ فریضہ سونپ دیا کہ حتیٰ المقدور وہ تمام حدیثی روایات جمع کر دی جائیں جو اسلامی ریاست کے اطراف میں محدّثین کے پاس انفرادی اور اجتماعی طور پر موجود ہیں۔

---

* پروفیسر/ چیئرمین شعبہ حدیث وسیرت، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

امام زہری نے حسب ہدایت روایات کو جمع کرنے کا کام شروع کر دیا، لیکن عمر بن عبدالعزیز ۱۰۱ھ میں انتقال کر گئے اور یہ سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ امام زُہری اور ان کے اصحاب کی کوششوں سے حدیث کی روایات جمع تو ہو گئیں لیکن اب ضرورت اس بات کی تھی کہ ان روایات میں جو اختلافات ہیں انہیں دُور کر لیا جائے اور ان پر پوری طرح بحث و تمحیص کی جائے۔ امام ابوحنیفہ پہلی صدی کے اختتام تک علم حدیث کے اساطین اور اعلام سے استفادہ کر چکے تھے۔ آپ نے ابن شہاب زہری سے بھرپور استفادہ کیا تھا، حجاز میں چار سال کے قیام کے دوران یہاں کے شیوخ اور علمی حلقوں سے آپ نے پوری محنت ولگن کے ساتھ اخذ کیا تھا۔ کوفہ میں عبداللہ بن مسعود اور سیدنا علی رضی اللہ عنہم اور ان کے تلامذہ و متعلقین کی روایات آپ کے پاس محفوظ تھیں۔ اس وقت آپ کے پیش نظر جو اہم کام تھا وہ ان روایات سے استنباط اور استخراج کا تھا۔ استنباط سے پہلے چونکہ ان روایات کے اخذ اور قبول کا مرحلہ تھا، اس لیے آپ نے اس مقصد کی خاطر چند بنیادی اصول وضع کر لیے۔ ان اصولوں پر اختصار کے ساتھ بات کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

❶ سند میں اتصال اور ارسال

ائمہ حدیث کے نزدیک حدیث صحیح کے لیے ضروری ہے کہ اس کی سند میں اتصال ہو۔ حافظ ابن الصلاح اور حافظ زین الدین عراقی نے حدیث صحیح کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

((الصحیح ما اتصل سنده بنقل عدل ضابط من مثله من غیر شذوذ ولا علة قادحة))

”صحیح حدیث وہ ہے جس کی سند میں اتصال ہو۔ جس کا ہر ایک راوی عادل اور ضابط ہو، جس میں شذوذ اور علت قادحہ نہ ہو“۔

اس تعریف کی رُو سے ہر وہ حدیث جن کی سند میں کسی بھی قسم کا انقطاع ہو، محدثین کے نزدیک ضعیف کہلاتی ہے اور ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں رہتی۔ ارسال چونکہ انقطاع کی ایک شکل ہے، اس لیے محدثین نے حدیث مرسل کو اپنے اصول کے مطابق ضعیف قرار دے کر نا قابل استدلال قرار دیا۔ حدیث مرسل اصطلاح میں

وہ حدیث کہلاتی ہے جس کی سند میں صحابی کا واسطہ حذف کر دیا گیا ہو۔ تابعی براہِ راست آپ علیہ الصلاۃ والسلام کے قول و فعل کو نقل کر رہا ہو، جیسا کہ عام طور پر مکحول دمشقی، ابراہیم، سعید بن المسیب، حسن بصری، ابن سیرین اور دیگر تابعین کا معمول تھا۔ اتصال کی یہ قید تیسری صدی کے محدثین نے اس لیے لگائی ہے کہ ان کے دَور میں اسنادی وسائط زیادہ ہو گئے تھے، ان واسطوں میں اہم کڑیاں معلوم کرنا اور پھر ان میں باہم اتصال کا پتہ لگانا ضروری ہو گیا تھا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا تعلق چونکہ دوسری صدی سے ہے، اس لیے ان کے دَور میں اتصال اور ارسال میں اسنادی وسائط کم ہونے کی وجہ سے کوئی فرق نہیں تھا۔ علماء کے ہاں جس طرح مسانید قابل استدلال تھیں، اسی طرح مراسیل بھی حجت تھیں۔

حافظ ابن جریر اس ضمن میں لکھتے ہیں:

((اجمع التابعون باسرهم قبول المرسل ولم يأت عنهم انكاره ولا عن احد من الائمه بعدهم الى رأس المأتين)) (۲)

''تابعین کے ہاں مرسل کے قابل قبول ہونے پر اتفاق تھا۔ ان سے پہلے اور ان کے بعد کسی بھی امام سے دوسری صدی کے اختتام تک مرسل کا انکار ثابت نہیں ہے''۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے اہل مکہ کے نام اپنے رسالہ میں لکھا:

((اما المراسيل فقد كان يحتج بها العلماء فيما مضى مثل سفيان الثورى ومالك والاوزاعى حتى جاء الشافعى فتكلم فيها و تابعه على ذلك احمد بن حنبل وغيره)) (۳)

''جہاں تک مراسیل کا تعلق ہے تو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کو اسلاف و متقدمین مثلاً سفیان ثوری، امام مالک اور امام اوزاعی سب ہی قابل استدلال سمجھتے تھے، تا آنکہ امام شافعی آئے اور انہوں نے مراسیل کی حجت پر کلام کیا اور امام احمد نے بھی اس ضمن میں ان کی پیروی کی''۔

حقیقت یہ ہے کہ دوسری صدی کے ارباب علم کو غلبہ عدالت کی وجہ سے اپنے دَور کے شیوخ پر ایسا ہی اعتماد تھا جیسا کہ بعد کے دَور میں دارقطنی، بیہقی اور حافظ ابن حجر کو امام بخاری اور امام مسلم پر ہے۔

حافظ بن ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں:

((ولا شك ان الغالب على حملة العلم النبوى ﷺ فى ذلك الزمان العدالة))(۴)

''بیشک اس دور میں اہل علم میں عدالت غالب تھی''۔ عدالت ہی کی بنیاد پر جمہور محدّثین اور فقہاء نے یہ اصول طے کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مراسیل بلاتفریق طبقہ حجت اور قابل استدلال ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: ''مراسیل صحابہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک حجت ہیں''(۵)

امام شوکانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مراسیل مسانید کے حکم میں ہیں (۶)

تابعین کبار کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ''ان کے مراسیل بھی مراسیل صحابہ کی طرح حجت ہیں، جب کہ ان کے راویوں میں عدالت اور شہرت ہو اور ضعیف و مجہول رواۃ کی روایت سے اجتناب ہو''۔ (۷)

مراسیل کی حجیت ایک مستقل موضوع ہے، یہاں اس پر تفصیلی گفتگو مقصود نہیں۔ بتانا صرف یہ تھا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دور میں مراسیل اور مسانید کی تقسیم نہیں تھی۔ علماء کے ہاں دونوں قسم کی روایات متداول تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ امام مالک کی ''موطا'' میں سینکڑوں مراسیل آئی ہیں، بلکہ مالکیہ کے ہاں مراسیل اور مسانید میں حکماً کوئی فرق نہیں۔ علم حدیث کے بنیادی اور اساسی مآخذ میں مراسیل کی کمی نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا دور چونکہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کے بعد کا ہے، اس لیے اسنادی وسائط بڑھ جانے کی وجہ سے انہوں نے مراسیل کی حجیت پر اپنے رسالہ میں کلام کیا، اور مرسل کی حیثیت کو بعض شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا۔ جو حضرات امام شافعی رحمہ اللہ کی مؤقف یہ پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے مراسیل کو رد کر دیا، یہ ان کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کبار تابعین کے مراسیل کو قبول کیا ہے، انہوں نے جو شرائط اس ضمن میں وضع کی ہیں وہ محض احتیاط کے لیے ہیں، ورنہ حقیقتاً مراسیل ان کے نزدیک بھی قابل استدلال ہیں۔ امام احمد کا مؤقف بھی مراسیل سے استدلال کا ہے۔ اس ساری صورت حال کو مدنظر رکھ کر یہی کہنا حق اور درست ہے کہ امام ابوحنیفہ کا مؤقف ''ارسال اور اتصال'' کے سلسلے میں وہی رہا ہے جو اس دَور کے جمہور علماء، فقہاء اور محدّثین کا تھا۔

❷ ضبط راوی

علماء حدیث کے نزدیک حدیث کے راوی کے لیے ضروری ہے کہ وہ مسلمان ہو، مکلّف ہو، ضابطہ ہو اور ثقہ و عادل ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ محدّثین کی بیان کردہ شرائط کو ضروری قرار دینے کے ساتھ ضبط کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، چنانچہ آپ ضبط صدر کو راوی کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں اور تحدیث کی اجازت صرف اس راوی کو دیتے ہیں جو حدیث سننے کے دن سے بیان کرنے کے دن تک حدیث کا حافظ ہو۔ امام جعفر طحاوی رحمہ اللہ اس بارے میں آپ کا یہ اصول نقل کرتے ہیں:

((قال ابو حنیفة : لا ینبغی لرجل ان یحدث من الحدیث الا ما حفظه من یوم سمعه الی یوم یحدث به)) (۸)

''امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ عام راوی کے لیے تحدیث مناسب نہیں، ہاں وہ راوی تحدیث کرے جو سماع کے دن سے روایت کے دن تک حدیث کا حافظ ہو''۔

یحیٰی بن معین کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کی روایت میں بہت محتاط تھے۔ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا ہے:

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ صرف حدیث کی وہ روایات بیان کرتے ہیں جن کے وہ حافظ ہیں اور جن روایات کے وہ حافظ نہیں، وہ بیان ہی نہیں کرتے'' (۹)

امام نووی رحمہ اللہ نے ضبط کے حوالے سے امام مالک اور امام ابوحنیفہ رحمہم اللہ کا مسلک ان الفاظ میں بتایا ہے:

((فمن المشدّدین من قال لا حجة الا فیما رواه من حفظه وتذکره ، روی عن مالك و ابی حنیفه))(۱۰)

ضبط کے سلسلے میں انتہائی احتیاط برتنے والوں کا مؤقف یہ ہے کہ جو راوی اپنی روایت کا پوری طرح حافظ نہ ہو، اس کی تحدیث جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہم اللہ کا مسلک یہی بتایا جاتا ہے۔ حافظ سیوطی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس مؤقف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

((هذا مذهب شديد ، وقد استقر العمل على خلافه ، فلعل الرواة فى الصحيحين من لم يوصف بالحفظ لا يبلغون النصيف)) (۱۱)

''اس موقف میں انتہائی درجہ کی احتیاط ہے، دیگر محدثین روایت وتحدیث کے سلسلے میں اس اصول کو اپنا نہیں سکے۔ اس معیار کے پیش نظر صحیحین کا جائزہ لیا جائے تو نصف راوی ایسے ملیں گے جو ''ضبط'' کی اس شرط پر پورے نہ اتریں گے''۔

توضیح الافکار، اختصار علوم الحدیث اور مقدمہ ابن الصلاح کے مؤلفین کا تبصرہ بھی اس سے ملتا جلتا ہے۔ حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

((من مذاهب التشديد مذهب من قال: لا حجة الا فيما رواه الراوى من حفظه وتذكره ، وذلك مروى عن مالك وابى حنيفة))(۱۲)

''انتہائی محتاط مذہب ان حضرات کا ہے جو راوی کے لیے ''ضبط صدر'' ضروری قرار دیتے ہیں یہ مذہب امام مالک اور امام ابوحنیفہ کا ہے''۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ اگر کسی راوی کے پاس مخطوطہ ہو، لیکن مخطوطہ میں مندرج روایات اسے زبانی یاد نہ ہوں تو وہ کیا کرے؟۔ کہنے لگے: امام ابوحنیفہ کا موقف تو یہ ہے کہ جس راوی کو اپنی روایات زبانی یاد نہ ہوں اس کے لیے ان کی تحدیث مناسب نہیں، لیکن ہمارا موقف یہ ہے کہ مخطوطہ اگر راوی کا اپنا ہو تو اس کی روایات وہ بیان کر سکتا ہے، چاہے وہ ان روایات کا حافظ ہو یا نہ ہو''۔(۱۳)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ''ضبط صدر'' کو تحدیث کے لیے اتنی اہمیت کیوں دی ہے؟ اس دور کی تاریخ کو مدنظر رکھ کر اس کے بہت سارے عوامل پر بحث کی جا سکتی ہے، لیکن یہاں اتنی تفصیلات کی گنجائش نہیں۔ بہرکیف علماء حدیث کے ہاں یہ اصول مسلمہ ہے کہ جس راوی نے حدیثی روایات ضبط بالکتابہ اور ضبط بالصدر دونوں پہلوؤں سے اخذ کی ہوں، اس کی روایات اس راوی کے مقابلے میں قابل ترجیح ہوں گی، جس نے محض کتابۃً روایات اخذ کی ہوں

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے ضبط صدر کو تحدیث کے سلسلے میں جو اہمیت دی ہے، غور سے دیکھا جائے تو حدیث کے راوی کے لیے واقعی اس کی ضرورت ہے۔ فخر الاسلام بزدوی ضبط کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ضبط کا مفہوم یہ ہے کہ روایت کو اس طرح اخذ کیا جائے جس طرح اس کے حصول کا حق ہے، پھر اس کے صحیح مفہوم کو سمجھا جائے، امکانی کوشش سے اسے یاد کیا جائے، پھر اس کی حدود کی حفاظت کر کے اس کی پابندی کی جائے اور تحدیث تک اسے بار بار دہرایا جائے، ایسا نہ ہو کہ وہ ذہن سے اتر جائے''۔(۱۴)

ابن خلدون اگر چہ مؤرخ ہیں، تاہم اپنے مقدمہ میں علم حدیث کے حوالہ سے گفتگو کرتے ہوئے آپ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی شرائط اخذ کو باقی محدثین کے مقابلہ میں سخت قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

((شددّ فی شروط الروایة والتحمل وضعَّف روایة الحدیث الیقینی اذا عارضها الفعل النفسی))(۱۵)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اخذ اور تحدیث کی شرائط میں سختی کی اور اگر حدیث فعل نفسی کے معارض ہو تو اس کی تضعیف کی ہے''۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے راوی کے لیے ضبط صدر کی شرط میں جس حزم و احتیاط سے کام لیا، متاخرین نے اسے ''تشدید'' سے تعبیر کیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تشدید نہیں بلکہ اہتمام ہے۔ حافظ ابومحمد عبد اللہ حارثی سند متصل کے ساتھ امام وکیع سے نقل کرتے ہیں:

((اخبرنا القاسم بن عباد ، سمعت یوسف الصفار ، یقول: سمعت وکیعاً یقول: لقد وجد الورع عن ابی حنیفة فی الحدیث ما لم یوجد عن غیره)) (۱۶)

''امام وکیع بن الجراح کہتے ہیں کہ حدیث کے اخذ و روایت کے سلسلہ میں جو احتیاط امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کی ہے، کسی دوسرے نے نہیں کی''۔

یہی وجہ ہے کہ امام وکیع نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ساری روایات زبانی یاد کی تھیں۔ امام وکیع اپنے دور کے

سب سے بڑے شیخ تھے۔امام احمد، امام علی بن المدینی، امام یحییٰ بن معین اور امام عبداللہ بن المبارک ان کے تلامذہ حدیث میں سے ہیں۔حافظ ابن عبدالبر، یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں:

''میرے علم میں وکیع سے بڑا کوئی شخص نہیں ہے۔وکیع امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے اور ان کو امام ابوحنیفہ کی ساری حدیثیں از بر تھیں۔انہوں نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھرپور استفادہ کیا تھا''۔ (۱۷)

❸ شہرت اور تواتر

علماء حدیث کے نزدیک جب حدیث کے راویوں میں اسلام، تکلیف، ضبط اور عدالت کی صفات موجود ہوں تو وہ حدیث قابل عمل اور قابل اعتماد ہوتی ہے۔امام ابوحنیفہ نے ان صفات کے علاوہ روایت کی قبولیت کے لیے یہ شرط بھی رکھی ہے کہ اس کے راوی طبقہ تابعین اور تبع تابعین میں معقول تعداد میں موجود ہوں۔امام عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں:

((قد كان الإمام ابو حنيفه يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبل العمل به ان يرويه عن ذلك الصحابى جمع اتقياء عن مثلهم وهكذا)) (۱۸)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث کی روایات کو قابل عمل تب مانتے تھے کہ اسے طبقہ صحابہ کے بعد دیگر طبقات میں ثقہ اور عادل رواۃ کی جماعت نے نقل کیا ہو''۔

حافظ ذہبی نے امام ابن معین کی سند سے امام ابوحنیفہ کا یہ اصولی ارشاد نقل کیا ہے:

''میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں، اگر اس میں کوئی چیز نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ان روایات سے لیتا ہوں جو ثقہ اور عادل رواۃ کے ذریعہ پھیل گئی ہوں۔پھر اگر یہاں بھی نہ ملے تو صحابہ کرام کے اقوال سے استفادہ کرتا ہوں، لیکن جب بات ابراہیم، شعبی، حسن بصری اور عطاء بن ابی رباح تک آتی ہے تو جس طرح ان حضرات نے استنباط کیا ہے میں بھی استنباط کرتا ہو''۔(۱۹)

یہاں امام ابوحنیفہ نے پوری صراحت کے ساتھ بتایا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد ان کے نزدیک وہ حدیث قابل اعتماد ہے جسے ثقہ اور عادل رواۃ نے اخذ کرنے کے بعد دیگر ثقہ رواۃ کی طرف منتقل کیا ہو اور اس طرح اسے شہرت حاصل ہوگئی ہو۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن اصل اول ہے اور سنت اصل ثانی۔ اصل ثانی کی بنیاد چونکہ روایات پر ہے اس لیے اس کے مصادر مختلفہ کو اچھی طرح جانچ کر اطمینان حاصل کر لینا چاہیے۔ امام سفیان ثوری اخذ حدیث کے متعلق ابوحنیفہ کا اصول یوں بتاتے ہیں:

((یأخذ بما صح عنده من الاحادیث التی كان یحملها الثقات))(۲۰)

''امام ابوحنیفہ وہ حدیثی روایات لیتے ہیں جو آپ کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں جنہیں ثقات کی جماعت نے اخذ اور روایت کیا ہو''۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے وہی روایات لی ہیں جنہیں روایۃً اور عملاً شہرت حاصل ہوگئی تھی۔ آپ کے دَور میں چونکہ تابعین اور کبار تابعین کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی، اس لیے آپ کو جتنی روایات ملیں وہ کم سے کم واسطوں سے ملیں، بعد کے محدّثین تک یہ روایات چھ چھ اور سات سات وسائط کے ساتھ پہنچی ہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی روایات زیادہ تر ثنائیات اور ثلاثیات ہیں۔ علاوہ ازیں ان روایات پر عمل کرتے ہوئے تابعین اور کبار تبع تابعین کو آپ نے بچشم خود دیکھا۔ بعد کے محدثین کو یہ موقع نہیں مل سکا، ان کے پاس جتنی روایات آئی ہیں وہ روایۃً آئی ہیں اور وسائط کی کثرت کے ساتھ آئی ہیں۔

4 سماع اور قراءۃ

علماء حدیث کے ہاں اخذ اور تحمل کے جو طریقے متداول ہیں، ان میں بنیادی طریقے دو ہیں۔ ایک طریقہ سماع کا ہے جسے قراءۃ الشیخ بھی کہتے ہیں۔ دوسرا طریقہ قراءۃ کا ہے جسے قراءۃ علی الشیخ بھی کہتے ہیں۔ سماع یہ ہے کہ راوی شیخ سے روایت سنے اور اسے ضبط کرے۔ شیخ اپنے حافظہ سے بیان کرے یا مخطوطہ سے اس میں کوئی قید نہیں۔ حافظ زین الدین عراقی اس کی تعریف یوں کرتے ہیں:

((سواء حدَّث من كتابه او من حفظه باملاء او بغير املاء))(۲۱)

''شیخ اپنے مخطوطہ سے تحدیث کرے یا حافظہ سے کرے دونوں برابر ہیں، راوی اپنے پاس کتابۃً ضبط کرے یا بالصدر ضبط کرے دونوں جائز ہیں۔ قراءۃ کی تعریف حافظ ابن کثیر نے ان الفاظ کے ساتھ کی ہے: ((القراء ۃ علی الشیخ حفظاً او من کتاب وھو العرض عند الجمھور))(۲۲) قراءۃ علی الشیخ یہ ہے کہ راوی اپنے شیخ کے سامنے بیٹھ کر روایات پیش کرے، شیخ ان روایات کو سنے اور حسب ضرورت اصلاح کرے، تحمل حدیث کے لحاظ سے یہ دونوں طریقے جائز اور حکماً برابر ہیں، لیکن تقابل کی صورت میں ائمہ حدیث سماع کو قراءۃ پر ترجیح دیتے ہیں۔ حافظ ابن الصلاح، حافظ زین الدین عراقی، امام نووی، حافظ ابن کثیر دمشقی اور حافظ جلال الدین السیوطی نے اپنی مؤلفات میں اس کی تصریح کی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قرأۃ کی صورت سماع کے مقابلہ میں قابل ترجیح ہے۔ خطیب بغدادی نے مکی بن ابراہیم کے حوالہ سے امام ابوحنیفہ کا یہ قول نقل کیا ہے: ''مکی بن ابراہیم کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے کہ میں اگر شیخ کے روبرو پڑھوں تو مجھے یہ زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ شیخ پڑھے اور میں سنوں''۔ (۲۳)

اس ضمن میں حسن بن زیادہ کہتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ فرماتے تھے:

''تمہارا شیخ کے روبرو پڑھنا سماع کے مقابلے میں زیادہ ثابت اور مؤکد ہے، کیونکہ جب شیخ تمہارے سامنے پڑھے تو وہ صرف کتاب ہی سے پڑھے گا اور جب تم پڑھو گے تو وہ کہے گا کہ میری جانب سے وہ روایت کرو جو تم نے پڑھا ہے، اس لیے یہ مزید تاکید ہوگی''۔ (۲۴)

حافظ ابن کثیر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مؤقف کے بارے میں لکھتے ہیں:

((وعن مالك وابی حنیفة وابن ابی ذئب انھا اقوی))(۲۵)

''امام مالک، امام ابوحنیفہ اور ابن ابی ذئب کہتے ہیں کہ قراءۃ افضل اور اقوی ہے''۔

امام نووی لکھتے ہیں:

((والثابت عن ابی حنیفة وابن ابی ذئب وهو روایة عن مالك))(۲۴)

''امام ابوحنیفہ، ابن ابی ذئب اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ قراءۃ علی الشیخ کو سماع پر ترجیح دی جائے''۔

حافظ ابن الصلاح لکھتے ہیں:

((فنقل عن ابی حنیفه و ابن ابی ذئب وغیرهما ترجیح القراء ة علی الشیخ علی السماع من لفظه))(۲۷)

''امام ابوحنیفہ اور ابن ابی ذئب وغیرہ کا مؤقف یہ نقل کیا جاتا ہے کہ قراءۃ کو سماع پر ترجیح حاصل ہے''۔

علماء حدیث کی عام روش یہ ہے کہ راوی جو حدیث سماعاً اخذ کرتا ہے، اسے روایت کرتے وقت ''حدثنی'' یا ''حدثنا'' کا صیغہ استعمال کرتا ہے اور جو روایت قراءۃ اخذ کرتا ہے، اسے ''اخبرنی'' یا ''اخبرنا'' کے صیغے کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک قراءۃً اخذ کردہ حدیث بھی حدثنا کہہ کر روایت کرنا جائز ہے۔ اس ضمن میں خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

''امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ میں نے امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ ایک راوی جس نے حدیث قراءۃً حاصل کی ہو، کیا اس کے لیے جائز ہے کہ وہ حدثنا کے ساتھ اس کی روایت کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس کے لیے جائز ہے کہ وہ حدثنی کے ساتھ اس کی روایت کرے۔ اس کا حدثنی کہنا ایسا ہے کہ جیسے کسی شخص کے سامنے اقراری دستاویز کو پڑھا جائے اور وہ کہہ دے کہ اس نے میرے سامنے اس دستاویز کے سارے مشمولات کا اقرار کیا ہے''۔(۲۸)

امام ابوعاصم النبیل کہتے ہیں کہ:

''میں نے امام مالک، ابن جریج، سفیان ثوری، اور امام ابوحنیفہ سے پوچھا کہ ایک راوی اگر قراءۃً حدیث حاصل کر لے تو کیا اسے روایت کرتے وقت حدثنا کہنا جائز ہے؟ سب کا جواب مجھے یہی ملا کہ اس میں کوئی حرج نہیں''۔(۲۹)



امام یحییٰ بن ایوب کہتے ہیں کہ:

''میں نے ابوقطن سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ مجھ سے امام ابوحنیفہ نے کہا: مجھ سے قراءۃً اخذ کرو اور حدثنا کہہ کر روایت کیا کرو۔ اگر میں اس میں کسی قسم کا بھی حرج سمجھتا تو کبھی بھی اس کی اجازت نہ دیتا'' (۳۰)

یہاں سماع اور قراءۃ پر تفصیلی بحث کی گنجائش نہیں۔ بہرکیف جو حضرات اس فن سے تعلق رکھتے ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ قراءۃً اخذ کرنا سماع کے مقابلہ میں راوی کے لیے کتنا مفید اور متن کے لیے کتنا موزوں اور مناسب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبار فقہاء اور محدّثین نے قراءۃً اخذ کردہ حدیث کو حدثنا کہہ کر جائز قرار دیا ہے۔ امام نووی لکھتے ہیں:

انه مذهب الزهری ومالك وابن عینیه و یحیی القطان والبخاری وجماعة من المحدثین و معظم الحجازیین والکوفیین (۳۱)

''امام زہری، امام مالک، امام ابن عینیہ، امام یحییٰ القطان، امام بخاری حجاز اور کوفہ کے جمہور علماء اور محدثین کی ایک جماعت سماع اور قراءۃ کو حکماً ایک درجہ دینے کے قائل ہیں''

❺ روایت باللفظ

روایت باللفظ اور روایت بالمعنیٰ کے سلسلے میں علماء حدیث کے اقوال مختلف ہیں۔ علماء کی ایک جماعت کے نزدیک راوی کے لیے ضروری ہے کہ حدیث کی روایت باللفظ کرے، جب کہ دوسری جماعت کا مؤقف یہ ہے کہ راوی اگر الفاظ و معانی کا فہم رکھتا ہو تو بالمعنیٰ روایت کرسکتا ہے۔ حافظ ابن الصلاح اس بارے میں لکھتے ہیں:

((اذا اراد (الراوی) روایة ما سمعه علی معناه دون لفظه ، فان لم یکن عالماً عارفاً بالالفاظ ومقاصدها ، خبیراً بما یحیل معانیعها ، بصیراً بمقادیر التفاوت بینها فلا خلاف انه لا یجوز له ذلك ، وعلیه ان لا یروی ما سمعه الا علی اللفظ الذی سمعه من غیر تغییر .... فا متا اذا کان عالماً عارفاً بذلك فهذا مما اختلف فیه السلف واصحاب الحدیث وارباب الفقه والاصول))(۳۲)

’’جب کوئی راوی حدیث بالمعنی روایت کرنا چاہے تو اگر وہ الفاظ اور مقاصد روایت سے آ گاہ نہ ہو تو سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کے لیے روایت بالمعنی جائز نہیں، اسے روایت باللفظ ہی کرنی چاہیے۔ ہاں اگر راوی الفاظ اور مقصد روایت سے آ گاہ ہو تو اس میں متقدمین، محدثین، فقہاء اور اہل اصول کا اختلاف ہے‘‘۔

جمہور کے نزدیک اس کے لیے روایت بالمعنی جائز ہے، جبکہ فقہاء اور اہل اصول میں سے بعض کے نزدیک اسے معنیً روایت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

’’اکثر اسلاف اور محدثین کہتے ہیں کہ روایت بالمعنی جائز نہیں، بلکہ نہایت ضروری ہے کہ روایت باللفظ ہو اس میں کسی قسم کی کمی بیشی اور کسی طرح کی تقدیم وتاخیر نہ کی جائے اس موضوع پر کچھ روایات پہلے آ چکی ہیں۔ ان اکابر نے عالم اور غیر عالم میں اس پہلو سے کوئی فرق روا نہیں رکھا ہے‘‘۔(۳۴)

علامہ سیوطی لکھتے ہیں:

((كان القاسم بن محمد و ابن سيرين و رجاء بن حيوة يعيدون الحديث على حروفه))

’’قاسم بن محمد، امام ابن سیرین اور رجاء بن حیوۃ حدیث بیان کرتے وقت حروف کا اہتمام رکھتے تھے‘‘۔

حافظ سیوطی نے روایۃ بالمعنی کے ضمن میں اس کے جواز کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

((قال جمهور السلف والخلف من الطوائف منهم الائمة الاربعة : يجوز بالمعنى فى جميعه اذا قطع بادإ المعنى))(۳۵)

’’سلف اور خلف کی اکثریت جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں کی رائے یہ ہے کہ روایت بالمعنی اس راوی کے لیے جائز ہے جو حدیث کے صحیح مفہوم کو سمجھتا اور اسے ادا کر سکتا ہو‘‘۔

لیکن حافظ سیوطی کی یہ تعلیق محل نظر ہے، کیونکہ امام مالک اور امام ابوحنیفہ دونوں روایۃ بالمعنی کے جواز کے قائل نہیں۔ علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

((ذهبت طائفة من العلماء الى انه لا تجوز الرواية بالمعنى مطلقا ، وهو الصحيح من مذهب مالك ويدل على ذلك قوله : لا اكتب الا عن رجل يعرف ما يخرج من راسه و ذلك فى جواب من سأله : لم لم تكتب عن الناس وقد ادركتهم متوافرين و كذلك تركه الاخذ ممن لهم فضل وصلاح اذا كانوا لا يعرفون ما يحدّثون به))(۳۶)

''علماء کی ایک جماعت کا مسلک یہ ہے کہ روایت بالمعنی مطلقاً جائز نہیں۔ امام مالک کا مذہب بھی یہی ہے۔ آپ کا یہ ارشاد کہ میں صرف اس راوی کی روایت اپنے پاس لکھتا ہوں جو اپنے منہ سے نکلی ہوئی بات کو جانتا ہو، یہ بات آپ نے اس سوال کے جواب میں فرمائی تھی کہ آپ نے راویوں کی بہت بڑی تعداد سے ملاقات کے باوجود ان سے استفادہ کیوں نہیں کیا؟ اسی طرح امام مالک کا ان حضرات سے روایت نہ لینا جو متقی اور پرہیزگار تھے، لیکن تحدیث نہیں جانتے تھے، اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ آپ روایت کے اخذ میں انتہائی محتاط تھے اور روایت باللفظ کے قائل تھے''۔

حافظ سیوطی کی طرح امام غزالی نے بھی امام ابوحنیفہ کے بارے میں لکھا ہے کہ آپ روایت بالمعنی کے قائل تھے، لیکن محدث ملا علی قاری نے امام ابوحنیفہ کے بارے میں حافظ ابوجعفر طحاوی کی ایک روایت کو پیش نظر رکھ کر اس بات کی وضاحت کی ہے کہ امام ابوحنیفہ روایت بالمعنی کے جواز کے قائل نہ تھے۔ امام طحاوی کی روایت یوں ہے:

((حدثنا سليمان عن شعيب ، حدثنا ابى قال املى علينا ابو يوسف قال : قال ابو حنيفه : لا ينبغى للرجل ان يحدث من الحديث الا ما يحفظه من يوم سمعه الى يوم يحدث به))(۳۷)

''امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ کسی راویٔ حدیث کے لیے حدیث کا بیان کرنا مناسب نہیں،

جب تک اسے سماع کے دن سے روایت کے دن تک مسلسل وہ حدیث یاد نہ ہو''۔

ملاعلی قاری اس روایت کی بنیاد پر امام ابوحنیفہ کا مسلک ان الفاظ میں بتاتے ہیں:

((حاصله انه لم یجوّز الروایة بالمعنی ولو کان مراد فاللمعنی خلافا للجمهور من المحدثین))(۳۸)

''امام ابوحنیفہ روایۃ بالمعنی کو جائز نہیں کہتے، چاہے وہ مرادف الفاظ ہی میں کیوں نہ ہو۔ جمہور محدثین کا موقف یہ نہیں ان کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے''۔

امام نووی لکھتے ہیں:

((اذا وجد سماعه فی کتابه ولا یذکره فعن ابی حنیفة و بعض الشافعیه لا یجوز روایته))(۳۹)

''اگر راوی کے پاس مخطوطہ ہو، لیکن اسے مخطوطہ کی روایات زبانی یاد نہ ہوں تو امام ابوحنیفہ اس کی روایت کرنے کو جائز نہیں سمجھتے۔ شوافع میں سے بھی بعض اس موقف کے قائل ہیں''

امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا کہ اگر کسی راوی کے پاس روایات لکھی ہوئی ہوں، لیکن اسے وہ زبانی یاد نہ ہوں تو کیا وہ ان روایات کی تحدیث کر سکتا ہے؟ آپ نے جواب دیا:

''امام ابوحنیفہ کا موقف یہ ہے کہ جس حدیث کا راوی اس کا حافظ اور عارف نہ ہو اسے روایت نہ کرے''۔(۴۰)

امام عبدالعزیز بخاری اس بارے میں لکھتے ہیں:

((العزیمة ان یحفظ المسموع من وقت السماع والفهم الی وقت الاداء وهذا مذهب ابی حنیفة فی الاخبار والشهادة))(۴۱)

''عزیمت یہ ہے کہ راوی سماع اور فہم کے وقت سے لے کر تحدیث اور روایت کے وقت تک متن کو پوری طرح یاد رکھے۔ امام ابوحنیفہ کا مسلک اخبار اور شہادت میں یہی ہے''۔

عزیمت کے مقابلہ میں رخصت کی صورت میں امام نسفی نے جو رائے دی ہے وہ یہ ہے:

(والرخصة ان ینقله بمعناه ، فان كان محكما لا یحتمل غیره یجوز نقله بالمعنى لمن له بصیرة فی وجوه اللغة ، وان كان ظاهراً یحتمل غیره فلا یجوز نقله بالمعنى الا اللفقیه المجتهد وما كان من جوامع الكلم او المشكل او المشترك او الجمل لا یجوز نقله بالعمنى للكل)(۴۲)

''رخصت یہ ہے کہ حدیث میں روایۃ بالمعنی کی اجازت ہے بشرطیکہ وہ محکم ہو اور راوی لغت کے لحاظ سے بصارت وبصیرت کا حامل ہو اور اگر حدیث عام ہو تو پھر بالمعنی روایت غیر مجتہد کے لیے جائز نہیں۔ ایسے ہی وہ حدیثی روایات جن میں جوامع الکلم، مشکل، مشترک اور مجمل متون آئے ہوں ان سب میں روایت بالمعنی جائز نہیں''۔

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

''حضور اکرم ﷺ کی حدیث کا حکم تو یہی ہے کہ اس کی روایت باللفظ ہونی چاہیے کسی حالت میں کسی قسم کا کوئی تغیر نہ ہو، صرف ایک صورت میں روایۃ بالمعنی جائز ہے اور وہ یہ کہ راوی حدیث کا حافظ ہو اور ساتھ ہی قطعی طور پر اس کے معانی سے پوری طرح واقف ہو۔ اس حالت میں اگر اس سے کوئی مسئلہ دریافت کیا جائے تو یہ رہنمائی کی خاطر حدیث کے معنی اور مدلول کو جواب میں اپنے الفاظ میں پیش کر سکتا ہے یا بحث ومباحثہ کے دوران حدیث کا مفہوم اپنے الفاظ میں بیان کر سکتا ہے''۔(۴۳)

آپ مزید لکھتے ہیں:

''اس حد تک اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن اگر راوی ہونے کی حیثیت میں حدیث کی راویت کرے اور متن کو آپ علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف منسوب کرے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ الفاظ نبوت ویسے ہی پیش کرے، جیسے سنے ہیں۔ اس میں حرف کی تبدیلی بھی جائز نہیں چاہے الفاظ میں معنوی ترادف بھی ہو''۔(۴۴)

روایت باللفظ کے سلسلے میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اوران کے معاصرین نے جو موقف اختیار کیا ہے یہ دراصل انتہائی احتیاط پر مبنی ہے۔ان حضرات کے دور میں چونکہ حدیث روایات سے استنباط اور استخراج کا کام ہورہا تھا، اس لیے ضرورت اس بات کی تھی کہ ہرایک روایت کو اچھی طرح جانچ کرلیا جائے اورحتی الامکان یہ کوشش کی جائے کہ صحیح روایات کی بنیاد پر استنباط ہو۔جن علماء نے روایت بالمعنی کے جواز کا قول امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب کیا ہے اس سے مراد جواز مطلق نہیں، بلکہ جواز مقید ہوسکتا ہے۔جیسا کہ اسماعیل بن علیۃ کے حوالہ سے علامہ جزائری نے نقل کیا ہے:

((ذهب جمهور العلماء الى جواز الرواية بالمعنى لمن يحسن ذلك بشرط ان يكون جازماً بانه ادى معنى اللفظ))(۴۵)

''جمہور علماء نے روایۃ بالمعنی کی اجازت دی ہے بشرطیکہ راوی مفہوم کی ادائیگی پر قدرت رکھتا ہو اور بیان کردہ مفہوم کی صحت کا اسے یقین ہو''۔

اخذ وتحدیث کے ضمن میں یہ وہ چند اساسی اصول ہیں جنہیں پیش نظر رکھا۔امام ابوحنیفہ کے ان حدیثی اصولوں کو آپ کے اصحاب اور تلامذہ نے بھی مدنظر رکھا۔درج بالا اصولوں کے علاوہ روایت میں شذوذ، اہل اہواء کی روایات، راویۃ بالا جازۃ اور روایت کے درجات ومراتب پر بھی امام ابوحنیفہ کا مستقل موقف ہے، لیکن اس مقالے میں ان سارے اصولوں پر گفتگو کرنے کی گنجائش نہیں۔ان چند اساسی اور بنیادی نکات پر اجمال واختصار کے ساتھ بحث سے مقصود یہ ہے کہ جو حضرات اس موضوع پر مزید مطالعہ کرنا چاہیں وہ اس کی بنیاد پر مصادر اور مآخذ کی طرف رجوع کرسکیں اور اس موضوع کے مزید گوشوں کو تلاش کرکے تفصیلی بحث کرسکیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عراقی، زین الدین ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسینی، التقیید والایضاح، المکتبۃ السلفیۃ، المدینۃ المنورہ، ص۴

۲۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، میر محمد کتب خانہ کراچی، ص۲۰۲

۳۔ حازمی، الامام ابوبکر، تعلیقات علی شروط الائمۃ الخمسۃ، نور محمد اصح المطابع، کراچی، ص۴۵

۴۔ الیمانی، ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم الوزیر، الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر، ص۱۷

۵۔ نووی، ابوزکریا، محی الدین یحییٰ بن شرف، المجموع شرح المھذب، ادارۃ الطباعۃ المنیریۃ، مصر، ج۴، ص۴۸۲

۶۔ شوکانی، محمد بن علی بن محمد القاضی، نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار، محمد امین الخانجی، مصر، ج۱، ص۲۴۱

۷۔ علائی، صلاح الدین ابوسعید خلیل ابن کیکلدی، جامع التحصیل فی احکام المراسیل، وزارۃ الاوقات، احیاء التراث الاسلامی، الجمہوریۃ العراقیۃ، ص۱۷

۸۔ ملاعلی، قاری، شرح مسند الامام ابی حنیفۃ النعمان، دارالکتب العلمیۃ، بیروت لبنان، ص۳

۹۔ خطیب، ابوبکر احمد بن علی، تاریخ بغداد، ص۱۳، ص۴۱۹

۱۰۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر، تدریب الراوی، میر محمد کتب خانہ، کراچی، ص۳۰۷

۱۱۔ ایضاً

۱۲۔ ابن الصلاح، ابوعمرو عثمان بن عبدالرحمٰن، مقدمۃ ابن الصلاح، فاروقی کتب خانہ ملتان، ص۸۳

۱۳۔ خطیب، ابوبکر احمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دائرہ المعارف العثمانیہ، حیدرآباد دکن، ص۲۳۱

۱۴۔ بزدوی، فخر الاسلام علی بن محمد، اصول البزدوی، نور محمد کارخانہ کتب کراچی، ج۲، ص۷۱۶

۱۵۔ نواب صدیق حسن خان۔ الحطۃ فی ذکر الصحاح الستۃ المکتبۃ السلفیۃ۔ لاہور، ص۳۴

۱۶۔ کردری۔ مناقب الامام ابی حنیفۃ، دائرہ المعارف العثمانیۃ، ج۲، ص۱۹۷

۱۷۔ ابن عبدالبر، ابوعمر یوسف بن عبداللہ بن محمد القرطبی، جامع بیان العلم وفضلہ، مطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، ج:۱، ص۸۲

۱۸۔ عبدالوہاب الشعرانی، کتاب المیزان الکبری، مطبعۃ الکستلیۃ، مصر، ج۱، ص۶۲

۱۹۔ ذھبی، ابوعبداللہ شمس الدین محمد، مناقب ابی حنیفۃ، دائرۃ المعارف العثمانیۃ، حیدرآباد، دکن، ص۲۰

۲۰۔ ایضاً
۲۱۔ ابوعبداللہ محمد بن ابراہیم، توضیح الافکار' الطباعۃ المنیز یۃ، مصر، ج ۲، ص ۲۹۷
۲۲۔ ابن اکثیر، ابوالفداء اسماعیل بن کثیر، اختصار علوم الحدیث، مکتبہ دار التراث، القاہرہ، ص ۱۱۰
۲۳۔ خطیب، ابوبکر احمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۲۷۶
۲۴۔ ابن کثیر، اسماعیل بن کثیر، اختصار علوم الحدیث، مکتبۃ دار التراث، القاہرہ، ص ۱۱۰
۲۵۔ ایضاً
۲۶۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمان، تدریب الراوی، ص ۲۴۴
۲۷۔ ابن الصلاح، ابوعمر وعثمان، مقدمۃ، ص ۵۲
۲۸۔ خطیب، ابوبکر احمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، دائرہ المعارف العثمانیۃ، ص ۲۰۷
۲۹۔ ایضاً
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمٰن، تدریب الراوی، ص ۲۴۵
۳۲۔ عراقی، زین الدین عبدالرحیم، التقیید والایضاح، المکتبۃ السلفیۃ، لاہور، ص ۲۲۶
۳۳۔ خطیب، احمد بن علی، الکفایۃ فی علم الروایۃ، ص ۱۹۸
۳۴۔ سیوطی، جلال الدین عبدالرحمان، تدریب الراوی، ص ۳۱۱
۳۵۔ ایضاً
۳۶۔ الجزائری، طاہر بن صالح بن احمد، توجیہ النظر، فی اصول الاثر، مطبعۃ الجمالیۃ، مصر، ص ۳۰۵
۳۷۔ ملاعلی القاری، شرح مسند الامام ابی حنیفۃ، ص ۳
۳۸۔ ایضاً
۳۹۔ سیوطی، تدریب الراوی، ص ۳۱۱